لاعلاج مریض کے شرعی احکام

منظور احمد الازہری ۞

تعارف

حالیہ سائنسی ترقی نے مریض انسانوں کے لیے چند سہولتیں فراہم کی ہیں جو خصوصاً لاعلاج مریض کے لیے ناگزیر سمجھی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر مصنوعی تنفس کی سہولت سے مریض کے دل اور پھیپھڑوں کو آکسیجن مہیا کی جاتی ہے۔ عام طور پر کوئی مریض کومے کی حالت میں ہو یا سرطان کے آخری درجے سے دوچار ہو یا کوئی بچہ پیدائشی مفلوج ہو یا کسی لاعلاج مرض میں حاملہ خاتون مبتلا ہو تو اس طرح کی صورتوں میں اس کی زندگی کے بچاؤ کی تدابیر کی جاتی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا ایسے مریضوں کا علاج جاری رکھا جائے جب کہ اس علاج پر بے پناہ خرچ آرہا ہو جو ورثا کے لیے باعث تکلیف و حرج بھی ہو اور چند ایسے مریضوں کی حق تلفی بھی ہو رہی ہو جو فوری علاج کے محتاج ہوں اور ان کے بچنے کی امید بھی ہو جیسے جنگ و حادثات وغیرہ کے زخمی لوگ؟ پوری دنیا میں طبی اخلاقیات کے ماہرین اس بات پر غور کر رہے ہیں کہ ایسے مریض جو لاعلاج ہیں کیا ان کے علاج پر غیر ضروری اخراجات کیے جانے چاہییں؟ مزید یہ کہ کیا ایسا کرنے سے ایسے حق دار مریضوں کی حق تلفی تو نہیں ہو رہی جو فوری علاج کے محتاج ہیں، لیکن سہولیات کے دست یاب نہ ہونے کی بنا پر ان کا علاج نہیں ہو رہا؟ اسی معاملے کی فقہ اسلامی کے ضوابط کی روشنی میں تحقیق و تفتیش کے لیے مقالہ ہذا تحریر کیا گیا ہے۔ یہ مسئلہ ان معاصر طبی و فقہی مسائل میں سے ایک ہے جس کی طرف تحقیق نگاروں کی نگاہیں مرکوز ہیں اور یہ فقہا کا محل بحث و نظر ہے اس لیے اس کے شرعی احکام کا بیان مناسب معلوم ہوتا ہے۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ انسانی زندگی کی حرمت کی حفاظت ایک عظیم شرعی مقصد ہے اور رسول اکرم ﷺ نے خانۂ کعبہ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا: "ما أعظمک و أعظم حرمتک، والمؤمن أعظم

۞ ایسوسی ایٹ پروفیسر (اسلامک لا)، ہائی ٹیک یونی ورسٹی، ٹیکسلا کینٹ۔ (maalazhari1@gmail.com)

حرمة عندالله منک." [۱] (اے کعبہ! تو کتنا عظیم ہے اور تیری حرمت کتنی عظیم! مومن اللہ کے نزدیک تجھ سے بھی بڑھ کر محترم ہے۔)

اسی لیے شریعتِ مطہرہ انسانی جان کی حفاظت اور اس کے لیے تمام ممکنہ تدابیر اختیار کرنے کا حکم دیتی ہے، طب کا بنیادی اصول بھی یہی ہے کہ مریض کو ہر قسم کی طبی سہولت فراہم کی جائے خواہ اس کی حالت کیسی بھی ہو، کیوں کہ ایک جان بچانا گویا ساری انسانیت کو بچانا ہے، لیکن کبھی طبیب اپنے مریض کی حالت کو دیکھ کر اپنے علم و تجربہ کی بنا پر یہ حکم لگا دیتے ہیں کہ مزید علاج کا فائدہ نہیں ہے اور جو آلات مریض کو آکسیجن پہنچاتے ہیں، انھیں ہٹانے کا حکم بھی دیا جاتا ہے، تاکہ مریض کو گھر منتقل کر دیا جائے اور حادثاتی مریضوں کے لیے جگہ بنائی جائے، اس صورت حال میں مریض کے اہل تعلق بھی تردد کی کیفیت کا شکار ہوتے ہیں۔ وہ مریض کے ہسپتال میں رکھنے ہی پر اصرار کرتے ہیں کیوں کہ ایسے مریض کا علاج نہایت بھاری اخراجات کا متقاضی ہوتا ہے۔ دوسری طرف ہسپتال کی انتظامیہ بھی نئے مریضوں کے لیے جگہ خالی کروانا چاہتی ہے، تاکہ حادثاتی طور پر زخمی مریضوں کو فوری علاج مہیا ہو تاکہ ان کی جانیں بچائی جاسکیں، جب کہ لاعلاج مریض تو مہینوں اور سالوں تک بھی لاعلاج رہ سکتا ہے۔ ان حالات کے پیشِ نظر طب و شریعت کے اہل اختصاص نے اس مسئلے کی جانب غور و فکر ضروری سمجھا تاکہ دونوں پہلوؤں سے اس مسئلے پر غور و فکر کیا جائے اور کسی مفید نتیجے پر پہنچ کر کوئی حتمی فیصلہ دیا جائے۔

اس موضوع کے حوالے سے متعدد مقالات اور علمی مباحث تحریر کیے گئے ہیں جن میں قاضی مجاہد الاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کے مرتب کردہ **جدید فقہی مباحث** میں قتل بہ جذبۂ رحم اور دماغی موت کا موضوع بھی شامل ہے۔ مولانا جلال الدین عمری کی کتاب **صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات**، جناب خلیل اشرف عثمانی کی کتاب **قتل بہ جذبۂ رحم** وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ان مباحث کا موضوع قتلِ بہ جذبۂ ترحم ہے جب کہ ان مباحث میں لاعلاج مریضوں کا علاج روکنے کے حوالے سے طبی اخلاقیات پر ضمناً ہی گفتگو کی گئی ہے۔ اسی بنا پر اس مقالے میں تفصیلی طور پر لاعلاج مریضوں کا علاج جاری رکھنے یا نہ رکھنے کے حوالے سے فقہ اسلامی کے احکام کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ چند مقالات میں صرف دماغی موت پر توجہ مرکوز کی گئی ہے حالاں کہ اس طرح کے مریضوں کی شرح ۱۵-۱۰ فی صد سے زیادہ نہیں

۱- ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی، **سنن الترمذي**، أبواب البر و الصلة، باب ما جاء في تعظيم المؤمن (بیروت: دارالغرب الإسلامي، ۱۹۹۸ء)، ۳: ۴۶، رقم: ۲۰۳۲۔

ہے، جب کہ بہت سی اور حالتوں میں بھی علاج کے استمرار، عدم استمرار کا مسئلہ کسی حتمی فیصلے کا متقاضی ہوتا ہے۔ جدید میڈیکل میں یہ بات معروف ہے کہ دماغی موت ہی حقیقی موت ہے، جب کہ علماے اسلام کی راے میں حیات وموت کے متحقق ہونے کا علم طبی آلات کو روک کر یہ اطمینان کر لینے کے بعد ہی حاصل ہو سکتا ہے کہ مریض واقعتاً زندہ ہے یا مردہ، کیوں کہ دماغی کومہ کی حالت کبھی لمبی ہو سکتی ہے جب کہ جسم زندہ بھی ہو سکتا ہے۔ یہ جاننا اس لیے بھی ضروری ہے کہ چند واقعات میں لوگوں نے مریض کو مردہ سمجھ کر دفن کے انتظامات کر دیے، لیکن وہ زندہ تھا اور اس نے اپنی زندگی کا پھر سے آغاز کر دیا۔

موضوع سے متعلق چند فتاوی

لاعلاج مریض کے جسم سے طبی سہولت کے آلات ہٹانے کے بارے میں سعودی وزارت صحت نے اپنی مرکزی دائمی فتوی کمیٹی (هيئة كبار العلماء) سے استفسار کیا تو علماے کرام نے غور وفکر کے بعد فرمایا:

> انسان کو شرعاً میت شمار نہیں کیا جا سکتا یہاں تک کہ اس کے تمام اعضا عمل سے رک جائیں، جن میں دل پھیپھڑے اور دماغ بھی شامل ہیں اور مسلمان طبیب یہ فیصلہ بھی دیں کہ اعضا اب حتمی طور پر کام کرنا چھوڑ چکے ہیں۔ جب جسم کے بعض اعضا کام کرنا چھوڑ دیں اور باقی اعضا کام کرتے رہیں، مثلاً دماغ وغیرہ تو وہ انسان زندہ شمار ہوگا، خواہ وہ قریب الموت ہو۔ اسے ہم مردہ شمار نہیں کر سکتے، جب تک کہ اس کا کوئی عضو بھی کام کر تا رہے۔ بنابریں کسی معطل دماغ والے انسان کا کوئی عضو نہیں لیا جا سکتا، جب تک کہ اس کے باقی اعضا بھی کام سے رک نہ جائیں۔ بعینہٖ جیسے کسی زندہ انسان کا عضو لینا، جس کی تمام شرائط مذکور و معروف ہیں۔ (۲)

اس فتوے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں موت وحیاتِ جسمانی پر توجہ مرکوز کی گئی ہے کہ انسانی جسم پر کوئی تصرف جائز نہیں حتی کہ موت متحقق ہو جائے، لیکن اس میں لاعلاج مریض کے علاج کو روکنے یا جاری رکھنے پر کوئی حتمی بات سامنے نہیں آئی۔

مزید برآں مؤتمر عالم اسلامی کے ذیلی ادارے مجمع الفقه الإسلامي نے بھی اس بارے میں اپنے اجلاس منعقدہ ۱۹۸۶ء (عمان۔ اردن) میں قرارداد منظور کی کہ کسی بھی شخص کو مردہ شمار کرنے اور میت کے احکام مرتب ہونے کے لیے دو میں سے ایک علامت کا وجود ضروری ہے:

۲۔ دیکھیے: فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء، السعودية، فتوی رقم ۲۲۱۹۔

۱- جب اس کا دل اور سانس مکمل طور پر رک جائے اور طبیب یہ فیصلہ دے دیں کہ اس کا رجوع ناممکن ہے۔

۲- جب مریض کے دماغ کے تمام اعمال معطل ہو جائیں اور مخصوص ماہر طبیب یہ فیصلہ دے دیں کہ اس تعطل سے رجوع ناممکن ہے اور مریض کا دماغ تحلیل ہو رہا ہے۔ اس حال میں اس سے آلات تنفس اتارنا جائز ہے، اگرچہ اس کے بعض اعضا آلات کے ذریعے متحرک ہوں۔[۳]

اس قرار داد میں انسان کو دو میں سے ایک علامت پائے جانے پر میت قرار دیا گیا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ موت روح کے جسم کو مکمل طور پر چھوڑ جانے کا نام ہے، اس لیے علاج کو روکنے یا جاری رکھنے کا موضوع مزید فکر و نظر کا محتاج ہے۔ اس سلسلے میں رابطہ عالم اسلامی کے مجمع فقہ اسلامی نے مکہ مکرمہ میں منعقد ہونے والے اپنے دسویں اجلاس میں ایک جامع قرارداد منظور کی جس میں درج ذیل فتویٰ صادر ہوا۔

> وہ مریض جس کے جسم پر تنفس اور تحریک قلب کے آلات لگائے گئے ہوں، اگر اس کے دماغ کے تمام اعمال ختم ہو جائیں تو ان آلات کو اتارا جا سکتا ہے جب کہ تین مخصوص طبیب یہ فیصلہ دیں کہ اس تعطل سے مریض کا رجوع ناممکن ہے، اگرچہ اس کے سانس اور دل کو مصنوعی آلات سے تحریک دی جا رہی ہے، لیکن شرعاً اس کی موت کا حکم اس وقت تک نہیں لگایا جائے گا جب تک کہ آلات اتارنے کے بعد اس کا دل اور سانس مکمل طور پر رک نہ جائے۔[۴]

یہ بات معروف ہے کہ امدادی آلات صرف اعضا کی حرکت کو سہارا دیتے ہیں، یہ انھیں غیر متحرک ہونے پر چلا نہیں سکتے، اس لیے اِن آلات کو ہٹانا مطلق طور پر علاج کو روکنے کے مترادف نہیں، جیسا کہ بظاہر لگتا ہے، بلکہ کئی اور حالتوں پر بھی علاج کو روکنے یا نہ روکنے کا اطلاق ہوتا ہے، جن کے باعث مریض کو لاعلاج قرار دیا جا سکتا ہے، مثلاً:

۱- دماغی گودے کی موت

۲- وہ نامکمل بچہ / بچی جو چھے ماہ مکمل ہونے سے پہلے پیدا ہو جائیں۔

۳- حاملہ عورت اور ۱۲۰ دن مکمل کر کے پیدا ہونے والا بچہ جب کہ دونوں لاعلاج مرض میں مبتلا ہوں۔

۴- دائمی جنون

۳- **قرارات مجمع الفقه الإسلامي**، مؤتمر العالم الاسلامی (دمشق: دار القلم، ۱۹۹۸ء)، ۳۶۔ مؤتمر عالم اسلامی کا مجمع فقہ اسلامی (جدۃ)، اجلاس عمان الاردن ۱۹۸۶ء۔

۴- **قرارات مجمع الفقه الإسلامي**، ۱۹۸۶ء، قرار رقم ۲۔

۵- مرض الموت جیسا کہ سرطان جو جسم یا خون میں پھیل چکا ہو۔

۶- ایڈز کا مریض

۷- وہ لاعلاج مریض مجرم جس کی پھانسی کا اعلان ہو چکا ہو۔

لاعلاج مریض سے متعلق متفرق احکام کو حسب ذیل عنوانات کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے:

۱- لاعلاج مریض کی امدادی نگہداشت

۲- قتل رحمت یا خودکشی

۳- طبی نگہداشت اور پیشۂ طب کی اخلاقیات

۴- لاعلاج مریض کی خواہش موت یا موت کا حق ذاتی

۵- دائمی بانجھ پن

۶- لاعلاج مرض کے علاج کے لیے قرض لینا

۷- طبی آلات ہٹانے کا حکم

۱- لاعلاج مریض کی امدادی نگہداشت

شریعت اسلامیہ نے ہمیں انسان کا احترام کرنے، اس سے موانست رکھنے اور مرض کی حالت میں اس کی ہر طرح کی مدد اور نگہداشت کرنے کا حکم دیا ہے۔ جمہور فقہاے کرام نے علاج کرنے کو واجب قرار دیا ہے جب کہ اس کی ہلاکت رفع ہونے کا یقین ہو۔ چور کا ہاتھ کاٹنے کے بعد بھی اس کی زخم بندی ضروری ہے۔ شافعی فقہاے کرام علاج کے وجوب کے بجائے اباحت کے قائل ہیں کہ مریض کو اس کا اختیار حاصل ہے۔ دونوں آرا کے اپنے اپنے دلائل ہیں جن کی یہاں چنداں ضرورت نہیں۔ اسی طرح فقہا نے کسی عضو کے کاٹنے کو بھی واجب قرار دیا ہے، جب کہ اس کا مرض جسم کے دوسرے حصوں میں پھیلنے کا اندیشہ ہو۔ اسی طرح جلتی ہوئی کشتی سے سمندر میں چھلانگ لگانے کا حکم ہے، کیوں کہ نفس انسانی کی حفاظت کا وسیلہ اختیار کرنا ضروری ہے جو کہ پانچ مقاصد شریعت میں سے ایک ہے۔

مذکورہ مثالوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسانی جان کی حفاظت آخری حد تک ضروری ہے اور خاص طور پر قریب الموت انسان کا احترام و امداد ہمارے دینِ حنیف کی اخلاقیات عالیہ میں سے ہے، اس لیے مسلمان طبیب کسی بھی نفسِ انسانی کو بچانے کے لیے اپنی تمام ممکنہ کوششوں کو بروئے کار لاتا ہے اور جب مریض کے علاج

میں مزید فائدہ نظر نہ آئے تو اہل خانہ کو بتا دیا جاتا ہے کہ اب ان کی بلکہ معاشرے کے دیگر لوگوں کی مصلحت کس طریق کار میں ہے۔ اِس صورتِ حال میں اہل خانہ اور دیگر لوگوں کو بھی طبیب کی رائے کا احترام کرنا چاہیے، کیوں کہ وہ اپنے پیشے اور مشورے میں امانت دار ہے۔ اس حوالے سے یہاں کچھ دلائل ذکر کیے جاتے ہیں:

۱- غزوہ احد کے بعد زخمیوں کے علاج کا معاملہ پیش آیا تو چند صحابہ سرکاری سطح پر مسجد نبوی ﷺ میں زیر علاج رہے اور جس صحابی کا خون بند نہیں ہو رہا تھا اسے خاص نگہداشت کے لیے اس کے گھر بھجوا دیا گیا۔ اس کی تفصیل آئندہ آگے آئے گی۔

۲- ہمارے ہسپتالوں میں طبی نگہداشت کے یونٹ (آئی، سی، یو) میں علاج کافی مہنگا ہوتا ہے جو کبھی مریض کے خاندان کو نہایت بھاری قرض لینے پر بھی مجبور کر دیتا ہے جو ناقابل برداشت ہوتا ہے، اور انسان اپنی استطاعت کے مطابق ہی خرچ کرنے کا مکلف ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ﴾[۵] (صاحب وسعت اپنی گنجائش سے خرچ کرے اور جس پر رزق تنگ ہو تو اللہ کے دیے ہوئے سے خرچ کرے۔)

۳- ہسپتال علاج کے لیے عارضی جگہ ہے اور مریض کی صحیح طور پر نگہداشت اس کے گھر ہی میں ممکن ہے، اس لیے اگر اطبا مریض کے علاج کا بے فائدہ ہونا بتا دیں تو اسے گھر منتقل کر دینا چاہیے۔

غزوہ احد سے واپسی پر نبی اکرم ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اے ابو عمرو! میری سواری کا راستہ خالی کر دو۔ جب آپ کے گھوڑے کے لیے راستہ کھل گیا تو صحابہ آپ ﷺ کے پیچھے چل پڑے تو آپ ﷺ نے فرمایا اے ابو عمرو! آپ کے اہل خانہ میں کافی زخمی ہیں، ہر زخمی ابلتے زخموں سے قیامت کے دن آئے گا، رنگ خون کا ہو گا اور خوشبو اس میں کستوری کی ہو گی، پس جو زخمی ہو وہ اپنے گھر میں ٹھہر کر اس کا علاج کرے، میرا پختہ عزم (حکم) ہے کہ کوئی میرے ساتھ نہ آئے تو سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے ندا دی کہ رسول اکرم ﷺ کے حکم کی وجہ سے بنی عبد الاشہل کا کوئی زخمی آپ کے پیچھے نہ آئے، تو سب زخمی رک گئے اور رات کو آگ جلا جلا کر زخمیوں کا علاج کرتے رہے۔[۶]

۵- القرآن ۶۵ : ۷۔

۶- محمد بن یوسف الصالحی الشامی، **سبل الهدىٰ و الرشاد في سيرة خير العباد** (قاہرہ: المجلس الأعلى للشؤون الإسلامية، ۱۹۹۷ء)، ۴: ۳۳۵۔

اہل مریض کا مریض کو ہسپتال میں رکھنے پر اصرار درست نہیں خواہ وہ اس پر بہت سے اموال خرچ کر سکتے ہوں کیوں کہ اسراف و تبذیر سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے: ﴿وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا﴾ (۷)

۴- آلات تنفّس وغیرہ مریض کو شدت سے حرکت دیتے ہیں جو اس کے لیے تکلیف کا باعث ہوتی ہے لیکن حالتِ کومہ میں ہونے کی وجہ سے وہ اپنی شدید تکلیف کے اظہار سے قاصر ہوتا ہے۔ اس مریض کو اسی تکلیف سے دور رکھنا ضروری ہے۔

۵- مریض کو شرعاً اختیار حاصل ہے کہ وہ دوا لے یا نہ لے جس طرح مرض الموت میں رسول اکرم ﷺ نے عمل فرمایا: "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اکرم ﷺ کو آخری مرض میں دوائی دی تو آپ ﷺ نے اشارتاً فرمایا کہ نہ دو تو ہم نے کہا کہ یہ تو مریض کا دوا کو ناپسند کرنا ہے جب آپ ﷺ کو افاقہ ہوا تو فرمایا کہ میں نے تمھیں دوا دینے سے منع نہیں کیا تھا، تو ہم نے کہا کہ یہ تو مریض کا دوا کو ناپسند کرنا تھا، تو فرمایا کہ گھر میں ہر کسی کو وہ دوا پلاؤ اور میں نے دیکھا ہے کہ عباس آپ میں اس وقت موجود نہ تھے۔" (۸) یہ تو ان لوگوں کا خیال تھا لیکن علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "کہ حضور ﷺ نے دوا ناپسند کی کیوں کہ وہ آپ کے مرض کے موافق نہ تھی، کیوں کہ لوگوں کا خیال تھا کہ آپ ﷺ کو پسلیوں کا درد تھا جب کہ حقیقت میں ایسا نہ تھا۔" (۹) اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ مریض اور اس کے اہل خانہ کو اختیار ہے کہ وہ علاج کریں یا نہ کریں، یہی حکم ان اطبا کا ہے جن کی ذمے داری مریضوں کا علاج ہے۔

۲- قتل رحم (Euthanasia) یا خود کشی کا حکم

مغرب میں شدید مرض میں مبتلا انسان کو ازروے شفقت و رحمت قتل کرنے کی ریت چل پڑی ہے تاکہ وہ سکون سے مر سکے۔ اس امر کے لیے وہاں طریقے وضع کیے جا رہے ہیں، قوانین بنائے جا رہے ہیں اور مختلف

---

۷ – القرآن ۱۷: ۲٦–۲۷۔

۸ – محمد بن اسماعیل ابو عبد اللہ البخاری الجعفی، **صحیح البخاری**، كتاب المغازي باب مرض النبي ﷺ ووفاته (دمشق: ناشر دار ابن کثیر، ۱۹۹۳ء)، رقم: ۱٦۱۹۔

۹ – ابو الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی، **فتح الباري شرح صحيح البخاري** (بیروت: دار المعرفة، ۱۳۷۹ھ)، ۸: ۱۴۷۔

سوسائٹیاں قائم کی گئی ہیں۔ پچھلی صدی کی ابتدا میں بہت سارے لوگوں کو عدالتوں نے اس طرح کے مقدمۂ قتل سے بری کیا ہے اور آج کے مغربی قانون دان حضرات نے ایسے قوانین وضع کر لیے ہیں جو ہر انسان کو اپنی موت کا طریقہ اختیار کرنے کا حق دیتے ہیں۔ اس کی وصیت کو لکھا اور تصدیق کیا جاتا ہے، اس معاملے کی تحقیق سے پتا چلتا ہے کہ یہ اصل میں قتل کے اسالیب میں سے ایک اسلوب ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں:

ا۔ اختیاری ومثبت

ب۔ غیر اختیاری ومنفی

پہلی صورت

پہلی قسم میں مریض کو طویل نیند کی مہلک دوا پلائی جاتی ہے جس سے وہ سکون کے ساتھ مر جاتا ہے۔ جیسا کہ مورفین وغیرہ اور دوسری صورت میں لاعلاج مریض کی طبی امداد بذریعہ آلات بند کر دی جاتی ہے جس سے وہ فوت ہو جاتا ہے۔

(ا) شریعت اسلامیہ میں مریض کو کسی طرح کی بھی قاتل دوا دینا حرام ہے خواہ اس کی حالت کیسی بھی ہو البتہ اُس کی حالت بہتر بنانے کی انتہائی کوشش جاری رہے گی، اس کا خوف کم کیا جائے گا اور کبھی بھی اس کا قتل جائز نہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ [۱۰] ایک اور آیت کریمہ میں ہے: ﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ [۱۱]

رسول اکرم ﷺ نے خودکشی سے بھی منع فرمایا اور اس کے مرتکب کو وعید شدید سنائی جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: "رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جو پہاڑ سے چھلانگ لگا کر اپنے آپ کو قتل کرے، وہ جہنمی ہے ہمیشہ اُس میں لڑھکتا رہے گا، جس نے زہر پی کر خودکشی کی وہ ہمیشہ جہنم میں زہر پیتا رہے گا، جس نے تیز دھار آلہ سے خودکشی کی وہ جہنم میں اُسی لوہے سے اپنے پیٹ کو ہمیشہ کاٹتا رہے گا۔"[۱۲]

پس خودکشی کی تمام صورتیں حرام ہیں اور جس نے اِن میں کسی کی مدد کی وہ بھی گناہ میں برابر کا شریک ہوگا، کیوں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس انسان نے اسلام میں کسی اچھی سنت (عادت) کو جاری

۱۰۔ القرآن ۲: ۱۹۵۔

۱۱۔ القرآن ۴: ۲۹۔

۱۲۔ **صحيح البخاري**، باب شرب السم والدواء به و بما يخاف منه و الخبيث، رقم: ۱۲۹۷۔

کیا اسے اپنا اجر بھی ملے گا اور جو بھی اُس پر عمل کرے گا اس کا بھی بغیر کسی کے اجر میں کمی کے اور جس نے اسلام میں کسی بُری عادت کی روایت ڈالی اس کا گناہ اُسے بھی ملے گا اور جو اس پر عمل کرے گا اس کا گناہ بھی بغیر کسی کمی کے۔[۱۳] مرحوم شیخ الازہر جاد الحق علی جاد الحق کی رائے میں "لاعلاج مریض کا قتل کسی حال میں جائز نہیں کیوں کہ شرعاً اس کا نفس محفوظ ہے۔"[۱۴] دوسرے شیخ الازہر ڈاکٹر محمد سید طنطاوی مرحوم کہتے ہیں: "لاعلاج مریض کو قتل کرنے کا فیصلہ شرعاً کسی طبیب یا اُس کے خاندان کے پاس نہیں ہے، مگر دماغی وفات کی صورت مختلف ہو سکتی ہے۔ طبیب کو مریض سے آلات کو ہٹانے کا فیصلہ کرنا جائز ہے تا کہ اُس کی حرکت قلب متوقف ہو سکے جب کہ اُسے یقین ہو کہ مریض کا زندگی کی طرف لوٹنا محال ہے۔"[۱۵]

جامعہ ازہر کی فتاوی کونسل نے رحمت وشفقت کے دعوی پر مریض کے قتل کو حرام قرار دیا ہے۔[۱۶] کونسل کے فتاوی میں آیا ہے کہ لوگوں کی عمریں اللہ تعالیٰ کے علم سے مقرر شدہ ہیں اور کسی کو ان کا علم نہیں اور کوئی اپنی عمر کا تعین نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۖ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ تدری نفس بای ارض تَمُوْتُ ۖ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾[۱۷]

آیت کریمہ کی تفسیر میں امام طبری فرماتے ہیں کہ مجاہد نے کہا ہے کہ ایک آدمی آیا (ابو جعفر نے کہا: میرا خیال ہے کہ میں تھا) اُس نے رسول کریم ﷺ سے کہا: میری بیوی حاملہ ہے آپ بتا دیں کہ وہ کیا جنے گی؟ ہمارے علاقے میں بہت خشکی و قحط سالی ہے یہ بھی بتا دیں کہ بارش کب ہو گی؟ پھر ولادت ہوئی تو مجھے پتا چلا (کیا جنا ہے) اور مجھے یہ بھی بتائیے کہ میری موت کب ہو گی؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: ﴿إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ

---

۱۳ – ابو الحسن مسلم بن الحجاج القشیری، **صحیح مسلم** (بیروت: دار احیاء التراث العربي)، ۴: ۲۰۵۹، رقم: ۱۰۱۷۔

۱۴– جاد الحق علی جاد الحق، **بحوث و فتاوى اسلامية في قضايا معاصرة** (ازہر: الأمانة العامة للجنة العليا للدعوة الإسلامية، ۱۹۹۴ء)، ۳: ۳۷۔

۱۵– ۲۳ویں کانفرنس، عین الشمس میڈیکل کالج، قاہرہ ۲۱، ۲۲ فروری ۲۰۰۰ء۔

۱۶– www.alukah.net/Shariah/0/426

۱۷– القرآن ۳۱: ۳۴۔

عِلۡمُ السَّاعَةِ......﴾ [۱۸] مجاہد کہتے تھے کہ یہ غیب کی کنجیاں ہیں جن کے بارے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَعِنۡدَهٗ مَفَاتِحُ الۡغَيۡبِ لَا يَعۡلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ﴾ [۱۹] یعنی یہ وہ غیب کی کنجیاں ہیں جیسے اللہ کے سواہ کوئی نہیں جانتا۔ [۲۰]

دوسری صورت

اس قتل کی دوسری قسم یہ ہے کہ ابتدا ہی سے مریض کا علاج روک دیا جائے یا اُس سے آلات امداد ہٹا دیے جائیں۔ دیانت دار اطبا کی رپورٹ کے مطابق اگر علاج کا فائدہ نہ ہو تو ایسا کرنا قتل نہیں ہوگا اور یہ معاملہ ان ذمے داروں کے سپرد ہے جو اس کام پر مامور ہیں۔ اہل مریض کو چاہیے کے وہ اس کی پوری خدمت کریں اور ذرہ برابر اس کی نگہداشت میں سستی نہ کریں حتی کہ امر الٰہی پورا ہو جائے۔

جیسا کہ پہلے گزرا عالمی مجمع فقہ اسلامی نے دماغی موت کے بعد مریض نے آلات اتارنے کا بالاجماع فتوی دیا ہے، جب کہ طبی معیارات کے مطابق اُس مریض کی طبعی زندگی کی طرف واپسی ناممکن ہو، لیکن موت کے واقع ہونے کی تحقیق کرنا واجب ہے۔ صدیوں سے لوگ اس پر کاربند ہیں، اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا انسانی عقل احاطہ نہیں کر سکتی، کتنے مریض موت کے دھانے پر تھے اور صحیح سلامت واپس آگئے اور کتنے صحت مند وطاقت ور اللہ تعالیٰ کے پاس جا پہنچے جس کا کسی کو گمان بھی نہیں تھا۔

یورپی فتوی وتحقیق کونسل نے بھی قتل رحمت کی حرمت پر فتوی دیا ہے۔ ان کی قراردادوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

کونسل نے ان مختلف قانونی نقطہ ہائے نظر کا جائزہ لیا ہے جو مختلف یورپی ممالک قتل رحمت کے بارے میں رکھتے ہیں ان میں کچھ اس کی تائید کرتے ہیں اور کچھ انکار، اس پر کونسل درج ذیل قرارداد پاس کرتی ہے۔

۱۔ قتل رحمت بلاواسطہ یا بالواسطہ طریقے سے دونوں حرام ہیں، خودکشی بھی حرام، اس کی مدد کرنا بھی۔ لاعلاج مایوس مریض کا قتل شرعاً طبیب، اہل مریض یا مریض کے فیصلہ سے نہیں ہو سکتا، اس مسئلہ کے لیے شرعی دلائل موجود ہیں۔

۱۸۔ القرآن ۳۱: ۳۴۔

۱۹۔ القرآن ۶: ۵۹۔

۲۰۔ ابوجعفر محمد بن جریر الطبری، **جامع البیان في تأویل القرآن** (بیروت: مؤسسة الرسالة، ۲۰۰۰ء)، ۱۱: ۴۰۱۔

۲- مریض کا اپنے آپ کو قتل کرنا بھی حرام اور کسی اور کا بھی اُس کی اجازت سے اُسے قتل کرنا حرام ہے، پہلا کام خودکشی ہے اور دوسرا عدوان قتل، کسی کی اجازت حرام کو حلال نہیں کر سکتی، اس کے شرعی دلائل ہیں۔

۳- اُس مریض کا بھی قتل جائز نہیں جسکے جراثیم پھیلنے کا اندیشہ ہو اگرچہ وہ شفاء سے مایوس ہو جیسا کہ ایڈز کا مریض، اس کی بھی شرعی اصل موجود ہے۔

۴- مریض سے طبی آلات ہٹا کر اس کی آسانی کرنا جب کہ طبیب کی رائے میں وہ مردہ ہو یا مردہ کے حکم میں ہو کیوں کہ اس کا وہ دماغ ختم ہو چکا ہے جس کے ذریعے سے وہ محسوس کرتا اور شعور رکھتا تھا تو ایسے مریض سے طبی آلات ہٹانا صرف ترک علاج ہو گا جو کہ جائز ہے بلا حرج اور خصوصاً جب کہ یہ آلات صرف اس کا سانس اور دوران خون ہی مصنوعی طور پر چلا رہے ہوں، اگرچہ مریض بالفعل مردہ ہی ہو کہ نہ ہوش ہے نہ احساس نہ شعور بوجہ تلف دماغ، مریض کو اس حالت میں رکھنا اسراف بلا فائدہ ہے اور دوسرے مریضوں کی حق تلفی ہے جن کو شاید یہ علاج فائدہ دے سکے، واللہ اعلم۔[۲۱]

قتل رحمت کو کنیسا نے بھی قبول نہیں کیا، پادری یوحنا پال II نے اس قتل کی تعریف کرتے ہوئے کہا: ہر وہ عمل یا غیر ذمہ دارانہ رویہ جس سے موت واقع ہو یا درد کم کرنے کی نیت سے قتل۔[۲۲]

انھوں نے مزید کہا ہے کہ اگرچہ آپ اس چیز کو دردمند مریض کی زندگی کا بوجھ نہ اٹھانے کا خود غرض انکار کہیں، یہ قتل رحمت "جھوٹی شفقت" ہے، بلکہ یہ معنیٔ شفقت سے ناگوار انحراف ہے کیوں کہ حقیقی شفقت تو دوسرے کے عذاب میں مدد کرنا ہے جو اُسے عذاب کی عدم برداشت پر قتل نہیں کر دیتی، قتل رحمت اس وقت اور خطرناک ہو جاتا ہے جب کہ دوسرے لوگ اسے ایک انسان کے حق میں استعمال کرتے ہیں جس نے اُن سے اس کی درخواست نہیں کی نہ ہی اس پر وہ راضی ہوا، ظلم و استبداد کی انتہا اس وقت ہوتی ہے جب نام نہاد طبیب و قانون ساز لوگ یہ دعوی کرتے ہیں کہ انھیں اس چیز کا فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہے کہ کون زندہ رہے اور کون زندہ نہ رہے، مریض کا اپنی زندگی کو آزادانہ اختیار کرنا بھی قتل رحمت کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتا، کنیسا اس حق کا انکار کرنے کے لیے مقدس انسانی زندگی کی قدر و قیمت پر اعتماد کرتا ہے۔ وہ زندگی جس کے ساتھ کھیلنا ممکن نہیں۔[۲۳]

۲۱- اجلاس نمبر ۱۱، سٹاک ہوم، سویڈن، ۱تا۷ جولائی ۲۰۰۳ء www.iie-cfr.org/new/11-2

۲۲- **انجیل حیات**، عدد: ۵۲۔

۲۳- انجیل حیات، عدد: ۶۶۔

۳ - طبی نگہداشت کا حکم

اسلامی اخلاقیات کا محور و مرکز ساری خلق خدا کے ساتھ رحمت و شفقت ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ﴾[۲۴] (اور میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے میں اسے متقی لوگوں کا مقدر کر دوں گا۔) اور خاص طور پر ایک مبتلا انسان رحمت کا اور دوسروں کی نگہداشت کا زیادہ محتاج و مستحق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کے ساتھ نرمی و حسن سلوک کا حکم دیا ہے بلکہ ساری خلق کو "الخلق عیال اللہ"[۲۵] (مخلوق اللہ کا خاندان ہے) کی عزت سے نوازا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے اپنے حسن معاملہ سے تمام انسانوں خصوصاً مریض کے لیے شفقت و رحمت کی اعلیٰ مثالیں قائم فرمائیں کیوں کہ ایسے لوگ زیادہ توجہ اور نگہداشت کے محتاج ہوتے ہیں ارشاد نبوی ہے: "جس انسان نے کسی مومن سے تکلیف کو دور کیا اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کی تکلیفوں کو دور کرے گا۔"[۲۶] اس میں شک نہیں کہ مریض کو طبی نگہداشت کے علاوہ نفسیاتی حوصلہ افزائی کی بھی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے طبیب کو چاہیے کہ مریض کی شکایت اچھی طرح سے سُنے اور اچھی بات سے اور جلد شفایاب ہونے کی تسلی سے اس کی تکلیف کو کم کرنے کی کوشش کرے اور خاص طور پر جب کہ مریض مایوسِ علاج ہو تو اُسے امیدِ شفا دلائے کہ اللہ کریم ہر چیز پر قادر ہے، اس طرح وہ مریض کی مصیبت میں مدد گار ہو سکتا ہے۔ ایک طبیب کو میڈیکل کی تعلیم کی تکمیل پر بھی یہ تلقین کی جاتی ہے کہ وہ اپنی پیشہ ورانہ خدمات میں مریضوں کا حتی الامکان خیال رکھے گا۔

۴- لاعلاج مریض کی خواہشِ موت یا مرنے کا حق

کبھی مریض زندگی سے مایوس ہو جاتا ہے اسے وسوسے لاحق ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو دوسروں پر بوجھ سمجھنے لگتا ہے اور آرزوے موت کرتا ہے اور بعض اوقات اہل خانہ بھی بہت تنگ ہو جاتے ہیں، یہ حالت اگرچہ نہایت مشکل ہوتی ہے لیکن شریعت میں صبر کا دامن تھامے رکھنے کا حکم ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۲۴- القرآن ۷: ۱۵۶۔

۲۵- ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی، **المعجم الکبیر** (قاہرہ: مکتبۃ ابن تیمیۃ، ۱۹۹۴ء)، باب العین، باب من روی عن ابن مسعود، رقم: ۱۰۰۳۳۔

۲۶- **صحیح مسلم**، کتاب البر و الصلۃ و الآداب، باب تحریم الظلم، رقم: ۲۵۸۰۔

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ﴾[۲۷] (ہم ضرور تمھیں کچھ خوف، بھوک اور جان ومال اور پھلوں میں کمی کے ذریعے آزمائیں گے اور صبر کرنے والوں کو بشارت دے دیجیے۔) اور رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "مومن کا مسئلہ عجیب ہے اس کے ہر کام میں خیر ہے اگر اسے تکلیف پہنچے اور صبر کرے تو بھی خیر اور اگر خوشی پہنچے تو بھی خیر۔"[۲۸] مایوس مریضوں کی ہدایت کے لیے حکم الٰہی ہے: ﴿لَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾[۲۹] (اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو؛ بے شک اللہ کی رحمت سے ناشکرے لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں۔) ایک اور حدیث نبوی ہے: "کوئی آدمی تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے، اگر ضروری ہو تو کہے، اے اللہ! جب تک زندگی میں خیر ہے مجھے زندہ رکھ اور جب وفات میں خیر ہو تو مجھے موت دے دے۔"[۳۰]

موت کا حق جیسا کہ مغربی سماج میں یہ روایت عام ہو گئی ہے کہ انسان وصیت لکھتا ہے کہ اس نے شدید یا لاعلاج مرض کی حالت میں کیسے مرنا ہے؟ کیا اسے آلات تنفس و حرکت قلب پر موت تک رکھا جائے، یا طبعی موت مرنے دیا جائے بعض تسکین بخش ادویہ کے ساتھ؛ تاہم یہ مسئلہ اہل اختصاص اطبا کا ہے کہ وہ مریض سے طبی آلات ہٹانے کا فیصلہ کریں، جب کہ ان کے استعمال کا فائدہ نہ ہو، تو قول انھی کا معتبر ہو گا جب کہ ان کی مہارت کے ساتھ رحمت و امانت بھی مقصود ہے تاکہ اپنے فیصلے میں وہ مریض، اس کے اہل خانہ اور معاشرے کی مصلحت کا بھی لحاظ رکھیں۔

مغرب میں یہ سوچ ان کے اس تصور سے آگے بڑھی ہے کہ انسان اپنے جسم کا مالک ہے یا نہیں؟ وہ لوگ اپنے آپ کو اپنے جسم کا مالک سمجھتے ہیں اور اس میں ہر طرح کے تصرف کو جائز سمجھتے ہیں، لیکن اسلام کی شریعت نے ہمیں بتایا ہے کہ انسانی جسم اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، دنیا کی ہر شے کی طرح (لِلّٰهِ ما فِي السَّمَاواتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ)،[۳۱] اس لیے انسان کے لیے اپنے جسم میں اللہ کی حدود سے باہر ہو کر تصرف کرنا جائز نہیں، بلکہ وہ ایسا

۲۷- القرآن ۲: ۱۵۵۔

۲۸- **صحیح مسلم**، كتاب الزهد والرقائق، باب المؤمن أمره كله خير، رقم: ۲۹۹۹۔

۲۹- القرآن ۱۲: ۸۷

۳۰- العسقلانی، **فتح الباري**، ۱۰: ۱۲۸۔

۳۱- القرآن ۲: ۲۸۴۔

ہی کرے گا، جیسا کہ اس کو حکم ہے اور ہر شے سے بچے گا جس سے منع کیا گیا ہے۔ غزوۂ احد میں قزمان نامی ایک شخص نے بہت بہادری دکھائی، لیکن شدید زخمی ہوا تو تلوار سے خودکشی کرلی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ دوزخ میں ہے۔ (۳۲) یعنی اسے اپنے جسم میں ایسے تصرف کی اجازت نہ تھی بلکہ اسے صبر کرنا تھا اور اپنا اجر اللہ تعالیٰ سے لینا تھا اس لیے مؤمن انسان اللہ تعالیٰ کی مرضی کے برعکس نہ کام کرتا ہے نہ کوئی قول بلکہ وہ مصیبت میں کہتا ہے: ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ (۳۳)

۵- دائمی بانجھ پن اور اس کے علاج کا حکم

کبھی بانجھ پن دائمی مرض کی شکل اختیار کرلیتا ہے جس میں میاں بیوی اولاد کے حصول سے محروم ہو جاتے ہیں لیکن یہ خواہش ہمہ وقت دل میں کروٹیں لیتی رہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں اولاد سے نوازے تو کیا وہ اس بارے اللہ کی رضا پر راضی رہیں یا یہ حصول نعمت کے لیے بذریعہ علاج کوشش جاری رکھیں؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مسئلہ ذریّت کو یوں بیان فرمایا: ﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاۗءُ عَقِيْمًا ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ﴾ (۳۴) (اللہ کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جسے چاہتا ہے صرف بچیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے صرف بچے عطا کرتا ہے یا بچے اور بچیاں ملا کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ رکھتا ہے، بے شک وہ بہت علم والا بہت قدرت والا ہے۔)

علمائے کرام اور فقہائے عظام نے بڑی طویل بحث و تحقیق کے بعد مصنوعی طریقہ ہائے پیدائش کو سات حصوں میں تقسیم کیا ہے جن میں پانچ حرام ہیں اور دو جائز؛ ان کی تفصیل عالمی فقہی مراکز نے شائع کی ہے۔ جو دو طریقے جائز ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱- میاں بیوی کے اپنے نطفہ و بیضہ کو خارجی طور پر ملاپ کے ذریعے زرخیز کرنا اور بیوی کے رحم میں رکھنا۔

۳۲- محمد بن ابو بکر شمس الدین ابن قیم الجوزیہ، **زاد المعاد في هدي خير العباد** (بیروت: مؤسسة الرسالة، ۱۹۹۴ء)، ۳: ۱۹۰۔

۳۳- القرآن ۲: ۱۵۶۔

۳۴- القرآن ۴۲: ۴۹-۵۰۔

۲- نطفۂ زوج کو لے کر رحمِ زوجہ میں مناسب جگہ پر رکھنا۔[۳۵]

اب میاں بیوی کے ایمان پر موقوف ہے کہ وہ صرف ان دو طریقوں میں سے کون سا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ مکمل طور پر پیدائش کی صلاحیت کو بانجھ پن میں تبدیل کروانا عموماً جائز نہیں ہے۔ وقتی طور پر اس صلاحیت کو روکنے کے شرعی ضوابط عالمی مجمع فقہ اسلامی نے اپنے کویت کے اجلاس میں بیان کیے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

ا- پیدائش میں زوجین کی آزادی ختم کرنے کے لیے عام قانون صادر کرنا جائز نہیں۔

ب- میاں بیوی پر مکمل صلاحیت پیدائش کو ختم کرنا حرام ہے، جب کہ شرعی معیاروں پر ان کی ضرورت متحقق نہ ہو۔

ج- صلاحیت پیدائش کو وقتی طور پر پابند کرنا جائز ہے تاکہ حمل کے وقفوں میں توازن ہو یا محدود مدت تک ان کو روکنا، جب کہ شرعی ضرورت موجود ہو؛ یہ میاں بیوی کے باہمی مشورہ سے جائز ہے جب کہ اس پر ضرر نہ ہو اور وسیلہ بھی جائز استعمال کیا جائے اور موجود حمل پر ظلم وعدوان بھی نہ ہو۔[۳۶] بانجھ پن یا اس کا علاج روکنا استمرارِ نکاح میں مانع نہیں ہے، جیسا کہ علما نے فرمایا[۳۷] لیکن کسی کو مجرمانہ طور پر بانجھ بنادینا قطع نسل کے لیے دیت کا متقاضی ہے۔

۶- لاعلاج مریض کے لیے قرض اٹھانے کا حکم

جدید ٹیکنالوجی سے بہت سارے نئے طریقہ ہائے علاج سامنے آئے ہیں اور ماضی کے مقابلے میں بہتر طبی سہولتیں بھی لوگوں کو آج میسر ہیں، اس لیے بہت کم امراض لاعلاج رہ گئے ہیں۔ ہر مریض اپنا علاج گاؤں سے شہر جا کر؛ وہاں سے بڑے شہر یا ملک سے باہر جا کر بھی کروانے کی کوشش کرتا ہے اور تھک ہار کر بیٹھ نہیں جاتا، بلکہ حصول مراد کے لیے طلب صادق کے ساتھ کوشاں رہتا ہے حتیٰ کہ شفایاب ہو جاتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے امر سے اس کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ اس طلب صادق کے باوجود آج کے ہسپتالوں اور خصوصاً غیر سرکاری طبی مراکز میں علاج بہت مہنگا ہے اور کبھی انسان قرض اٹھانے پر بھی مجبور ہو جاتا ہے، تو کیا مریض یا اس کے اہل خانہ کے لیے لاعلاج مریض

۳۵- عالمی مجمع فقہ اسلامی جدہ کی قرارداد، اجلاس عمان اردن، ۸-۱۳ صفر ۱۴۰۷، قرارات المجمع الفقهي، ۳۵۔

۳۶- عالمی مجمع فقہ اسلامی جدہ کی قرارداد، اجلاس نمبر ۵، ۱-۶ جمادی الاول ۱۴۰۹، مجلہ مجمع الفقه الإسلامي، ۱: ۷۴۸۔

۳۷- ابن قیم، زاد المعاد، ۵: ۱۸۲۔

کے لیے قرض لینا جائز ہے؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بے شک یہ دین متین ہے اس میں نرمی سے داخل ہو، اپنے آپ پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کو مشکل نہ بناؤ، حد سے زیادہ تیز رفتار سوار نہ تو منزل طے کر سکتا ہے نہ اس کی سواری باقی رہتی ہے۔" (۳۸) یہ نصیحت دین حنیف کے سب پیروکاروں کے لیے ہے۔ قرض اٹھانے کے بارے میں نصوص بتاتی ہیں کہ یہ کم از کم مقدار میں اور محدود و مخصوص حالات میں جائز ہے کیوں کہ قرضہ رات کا غم اور دن کی ذلت ہے اور اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی استطاعت سے بڑھ کر مکلف نہیں بناتا۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (۳۹) (اللہ کسی کو اس کی طاقت کے بقدر ہی مکلف بناتا ہے۔) اس لیے متوازن انسان جذبات میں ایسا اقدام نہیں کرتا جس کی عاقبت اچھی نہ ہو۔ چوں کہ ایک مومن انسان کو ایک سال کا رزق جمع کرنے کی شرعاً اجازت ہے تو اس کا قرض بھی ایسا ہو جو اس مدت میں ادا ہو سکے اور ہر حال میں اس سے یہ امر او جھل نہ ہو کہ شفا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور وہ ظاہر و باطن کو خوب جانتا ہے۔

۷۔ طبی آلات ہٹانے کا حکم

جب مریض انتہائی نگہداشت یونٹ (آئی، سی، یو) میں پہنچتا ہے تو اسے آکسیجن اور حرکت قلب کے لیے مصنوعی آلات سے مدد بہم پہنچائی جاتی ہے۔ کبھی یہ امداد انسانی زندگی بچانے کا ذریعہ بن جاتی ہے اور کبھی اس کا فائدہ نہیں پہنچتا۔ جب معاملۂ صحت حد سے گزر جائے، طبیب مزید علاج سے عاجز آ جائیں، دماغ کام کرنا چھوڑ دے تو اس حالت میں ڈاکٹر فیصلہ کرتے ہیں کہ اب ان آلات کا فائدہ نہیں۔ یہ فیصلہ در حقیقت مخصوص اطبا کی ایک جماعت کرتی ہے اور ان کا فیصلہ شرعاً بھی مقبول ہے، کیوں کہ حسب تخصص ہر ماہر کا قول اجتہاد میں مقبول ہے اس لیے ان کے فیصلے کے نفاذ میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ طیبہ آمد کے وقت وہ لوگ کھجور کی افزودگی ہاتھ سے کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ہم ایسا ہی کیا کرتے ہیں تو فرمایا کہ اگر تم نہ کرو تو شاید بہتر ہو، تو انھوں نے یہ عمل چھوڑ دیا۔ کھجوریں کچھ کم ہوئیں تو بارگاہ رسالت میں عرض کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں بشر ہوں اگر کوئی چیز دین کے حوالے سے تمھیں حکم دوں تو اسے لے لو

۳۸۔ ابراہیم بن موسیٰ اللخمی الشاطبی، **الموافقات في أصول الفقه**، ت: عبد اللہ دراز (بیروت: دار المعرفۃ، ۲۰۰۳ء)، ۲: ۲۳۷۔

۳۹۔ القرآن ۲: ۲۸۶۔

اور اگر اپنی رائے سے کچھ کہوں تو میں ایک بشر ہوں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، کہ "أنتم أعلم بأمور دنیاکم" کہ تم اپنی دنیا کے کام خوب جانتے ہو۔ اس روایت میں اہل اختصاص کی رائے کے احترام کا ذکر آیا ہے تاکہ ہر پیشہ ور اور فنی انسان کی عزت افزائی ہو اور ہمارے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک میں اسوۂ حسنہ موجود ہے۔

عملی طور پر راقم نے ہیوی انڈسٹریز ٹیکسلا ہسپتال کے نائب سربراہ ڈاکٹر عامر ودود سے ملاقات کر کے اس مسئلے کی صورت حال جاننا چاہی تو معلوم ہوا کہ ہسپتال کے لائحۂ عمل کے مطابق مریضوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ پہلے نمبر پر وہ مریض جن کا فوری علاج نہ ہو تو موت واقع ہو سکتی ہے، دوسرے نمبر پر کم خطرے والے مریض اور تیسرے نمبر پر لاعلاج مریض؛ آخری قسم کا علاج روکنے کے لیے کم از کم تین سینئر اطبا کی رپورٹ ضروری ہے، جن میں دو ایسوسی ایٹ پروفیسر یا ایک رجسٹرار اور ایسوسی ایٹ پروفیسر کا ہونا ضروری ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی لاعلاج مریض کا علاج روکنے کے لیے اعلیٰ سطحی کمیٹی فیصلہ کرتی ہے۔ جب ان بڑے اساتذہ میں سے دو یہ فیصلہ کر دیں تو مریض کا علاج روک کر اسے سکون افزا ادویہ کے ساتھ گھر پر علاج کی ہدایت کی جاتی ہے۔

نتیجۂ بحث

مذکورہ بالا بحث سے واضح ہوتا ہے کہ لاعلاج مرض کا علاج روکنے کے بارے میں شرعی احکام کا خلاصہ تین اہم نکات پر مشتمل ہے:

۱۔ دوا لینے کا شرعی حکم
۲۔ مریض اور اس کے اہل خانہ کے لیے حکم شرعی
۳۔ طبیب کے لیے حکم شریعت

۱۔ جمہور علما کے نزدیک دوا لینے میں شریعت کا حکم اباحت کا ہے یعنی لینا یا نہ لینا دونوں کا مریض کو اختیار حاصل ہے، یہی مذہب امام مالک کا ہے۔(۴۰) اور شافعیۃ کے نزدیک دوا لینا مستحب ہے(۴۱) اور کسی

۴۰۔ ابوالعلا محمد عبدالرحمن بن عبدالرحیم المبارکفوری، **تحفة الأحوذي** (قاہرہ: مطبعة المدني)، ۹: ۱۹۰۔

۴۱۔ ابوزکریا محی الدین یحیٰ بن شرف النووی، **المجموع شرح المهذّب** (قاہرہ: المكتبة العالمية)، ۵: ۹۵۔

صورت میں بھی دوا لینے کو توکل علی اللہ کے خلاف نہیں سمجھا جا سکتا۔[۴۲] بلکہ یہ اللہ کی تقدیر ہی سے اللہ کی تقدیر کی طرف سفر ہے۔

۲- مریض اور اس کے اہل خانہ کے لیے حکم شرعی یہ ہو گا کہ مریض کا حق ہے دوا لینا یا اسے ترک کرنا جیسا کہ اس کے مناسب حال ہو، اس کے اہل خانہ بھی طبی و نفسانی نگہداشت کے بغیر کسی کوتاہی یا حرج کے ذمے دار ہیں۔

۳- طبیب کا فرض منصبی ہے کہ وہ لاعلاج مریض کا علاج جاری رکھنے یا روکنے کے فیصلے میں خوف خدا ملحوظ رکھے اور پوری کوشش سے مریض کی حالت بہتر بنانے میں کوشاں ہو اور ہنگامی حالتوں کا بھی اسے لحاظ رکھنا ہے۔

۴۲- ابوحامد محمد بن محمد الغزالی، **إحياء علوم الدين** (مصر: مطبع الشرف)، ۳: ۲۸۳۔